جدید ریاست میں شرعی عدالتی نظام: مولانا ابو المحاسن سید محمد سجاد کے افکار اور ادارے

Sharia Based Judicial System in Modern State: Maulana Abul-Mahasin Sayyid Muhammad Sajjad's Thought and Institutions

Dr Shahid Rasheed
Assistant Professor Department of Sociology, FC College University Lahore
Email: shahidrasheed@fccollege.edu.pk
Dr. Mohammad Vaqas Ali
Email: vaqasali@fccollege.edu.pk

Abstract:
This paper seeks to understand the work and contribution of Maulana Abul Mahasin Sayyid Muhammad Sajjad (1883-1940). Maulana Abul Mahasin was particularly disillusioned by the erosion of Muslim system of administration of justice. in the colonial period. He responded seriously and passionately to this predicament. Hailing from a village near Patna in Bihar, He became an active member of Jamiat Ulama-e-Hind and founder of Jamiat Ulama-e-Bihar. He wrote letters to ulama and urged them to unite and act to counter and resist this state of *Jahiliyah*, in which there is no legal order governing the lives of Indian Muslims. Appointment of a Wali (Muslim guardian), according to Abul Mahasin was obligatory for ulama. Ulama will be accountable, he reminds them, if they do not act to create *nizam-e-Shari*. He founded a *Dar-ul-Qada* in Bihar in 1921 which was the first step towards creating *Imarat-e-Shariah* (Shariah based governance). This paper discuses the ideas as well as the instituations built by Maulana Abul Mahasin Sayyid Muhammad Sajjad.
Keywords: Maulana Abul Mahasin, Muslim India, South Asia, Sharia, Bihar, Jamiat Ulama-e-Hind, Dar-ul-Qada

مولانا ابو المحاسن محمد سجاد (1880-1940ء) بیسویں صدی کے برصغیر کے پر عزیمت علماء میں سے ایک تھے وہ برطانوی ہندوستان کے صوبہ بہار کے نالندہ ضلع کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے[1]۔ خاندان کا تصوف سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ ابھی چار سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ صوفی مولوی احمد سجاد بڑے بھائی تھے، جو زہد و تقویٰ کی وجہ سے صوفی صاحب کہلاتے تھے، سرپرست ہوئے۔ اُن کی سرپرستی میں گاؤں کے ایک مولوی صاحب سے اپنے گھر کے دالان پر چھ برس کی عمر میں پڑھنے کے لیے بیٹھائے گئے۔ قرآن کا قاعدہ، اُردو کا قاعدہ، ناظرہ قرآن اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ نو برس کی عمر میں مدرسہ اسلامیہ بہار میں عربی کی ابتدائی تعلیم شروع کی۔ کچھ دنوں کے بعد

کانپور میں استاذ الکل مولانا احمد حسن کانپوری کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے، عمر کے پندرہ سالوں تک زندگی میں حصول تعلیم کا شوق پیدا نہیں ہوا۔ جب تعلیم کا ذرا شوق ہوا تو کانپور سے دیوبند گئے، کسی مجبوری کی وجہ سے دیوبند چھوڑ کر مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں داخلہ لے کر پوری توجہ سے مروجہ علوم وفنون حاصل کیے۔ 1905ء میں مدرسہ سبحانیہ میں مولانا ابو المحاسن محمد سجاد کی رسم دستار بندی ادا کی گئی[2]۔ علم کے تین مراکز سے استفادہ کیا یعنی بہار، دیوبند اور الہ آباد۔

مولانا ابو المحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ نے جہاں حصولِ تعلیم میں اپنے شب و روز محنت شاقہ میں گزارے، وہیں تدریسی میدان عمل میں بھی آپ نے خوب محنت کی۔ انہوں نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ اسلامیہ بہار شریف (نالندہ) سے کیا لیکن جلد ہی اپنے استاد مولانا عبد الکافی کی خواہش پر تین سال بعد مدرسہ سبحانیہ الہ آباد چلے گئے۔ چار ماہ قیام کے بعد پھر مدرسہ اسلامیہ آگئے اور ڈیڑھ سال اس مدرسہ کو اپنی تدریسی صلاحیتوں سے نوازتے رہے۔ اس کے بعد دوبارہ الہ آباد تشریف لے گئے اور تقریباً تین سال تک تدریسی فرائض سر انجام دیئے۔ پھر الہ آباد خیر آباد کر کے شہر گیا (بہار) کی طرف رُخ کیا اور مولانا عبد الوہاب فاضل بہاری کے ذریعہ قائم کردہ مدرسہ انوار العلوم کی نشاۃ ثانیہ کا کام اپنے ذمے لیا۔ کچھ ہی عرصے میں اس ادارے نے ایک مرکزی مقام حاصل کر لیا۔ یہاں آپ نے ایک طرف ایک منتظم کی حیثیت سے اپنی صلاحیت کا لوہا منوایا تو دوسری طرف ایک کامیاب مدرس کی حیثیت سے اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ آپ منتہی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے اور طلباء کے لیے مشکل مقامات کو آسان کر دینے کے فن سے بخوبی آشنا تھے۔ ساتھ ساتھ آپ طلباء کی فلاح و بہبود کے لیے بھی سرگرم اور مستعد رہتے تھے[3]۔ مولانا کی زندگی کے سترہ سال اس کام میں صرف ہوئے، یہ سترہ سال مولانا کی زندگی کے لیے اس وجہ سے نہایت قیمتی ہیں کہ ان برسوں میں مسلسل مطالعہ کے نتیجے میں مولانا کو وہ مقام حاصل ہوا جسے علمی دنیا میں رسوخ فی العلم اور تفقہ فی الدین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف تعلیمی ادارے کے انتظام و انصرام سنبھالنے کی وجہ سے مولانا کی تنظیمی صلاحیتیں اُجاگر ہوئیں۔ یہ صلاحیتیں اور صفات مولانا کے مستقبل کے پروگراموں اور منصوبوں کے لیے نہایت اہم ثابت ہوئے بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک الٰہی تدبیر تھی جو مولانا کو مستقبل کے کارِ عظیم کے لیے تیار کر رہی تھی۔

الہ آباد کے زمانۂ تدریس میں مولانا کے ایک شاگرد انگریزی اخبارات سے مولانا کو خبریں سناتے، خصوصاً عالمِ اسلام کے زوال اور زبوں حالی سے واقف کراتے تھے، مولانا جو بڑی حساس طبیعت کے صاحب نظر شخص تھے ذکاوت، تدبر، فکرِ رسا، جرأت اور ہمت کا وسیع ذخیرہ رکھتے تھے، ممکن نہ تھا کہ وہ ملتِ اسلامیہ ہند اور عالمِ اسلام کے مسائل سے الگ رہ کر صرف درس و تدریس میں ہی اپنی زندگی گزار دیں۔ جیسے جیسے اُن کی معلومات اور فکر میں اضافہ ہوتا گیا، اُنہیں یہ احساس دامن گیر ہونے لگا کے درس و تدریس سے بڑھ کر قوم اور ملت کے بہت سے ایسے کام ہیں

جن کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اِس خیال کا عمومی اظہار اُس وقت ہوا جب مولانا گیا گئے۔ اور وہاں رہتے ہوئے علماء کی ایک تنظیم قائم کی جو تنظیم علماء بہار کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ تنظیم غالباً برصغیر پاک وہند میں اپنی نوعیت کی پہلی تنظیم تھی۔ یہ تنظیم 1917ء میں قائم ہوئی تھی عربی مدارس میں ایک نیا اور اصلاحی نصاب تعلیم نافذ کیا، جمعیت علماء کے قیام کے لیے وسیع جدوجہد کی، امارتِ شریعہ اور ہندوستان کی تمام ملی، سیاسی تنظیموں سے قریب رہے اور اُن کے مسائل اور نظریات جاننے کی مسلسل کوشش کرتے رہے۔

سب سے پہلے 1917ء میں مولانا نے انجمن علماء قائم کی تھی اور اُسی وقت سے ہندوستان میں ایک بڑی قومی، ملی تنظیم کے قیام کے لیے متحرک اور سرگرم ہوگئے تھے۔ جب مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا مفتی کفایت اللہ اور حکیم اجمل خاں کی تائید سے جمعیۃ العلماء کے لیے ابتدائی بات اور مشورے ہوئے تو علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں "مولانا موصوف اس کے لبیک کہنے والوں میں سب سے اول تھے۔" گویا وہ جمعیت علماء ہند کے بانیوں میں سے ایک ہے[4]۔ مولانا ابو المحاسن محمد سجاد نے جدوجہد آزادی میں بھرپور کردار ادا کیا۔ انھوں نے تحریک عدم تعاون اور تحریکِ خلافت میں حصہ لیا۔ برطانوی مصنوعات کے بائیکاٹ کو فروغ دینے کے لیے فتویٰ ترکِ موالات تحریر کیا۔ مولانا کی کس کس خدمت اور پہلو کا ذکر کیا جائے، تحریکِ خلافت کی بنیادوں میں بھی ابتدائی مشورہ مولانا کا تھا، مولانا اس کے لیے سب سے پہلے لکھنؤ اور پھر بمبئی گئے اور جب تک کہ تحریکِ خلافت کے ابتدائی نقوش، نظام اور ترتیبِ کار متعین نہیں ہوگیا، مولانا اس کے لیے بے چین رہے۔ اُس وقت کارِزار سیاست میں جو قدم رکھا اور ملت کی فلاح و بہبود کے لیے جو کھڑے ہوئے تو زندگی کے آخری دنوں تک اسی فکر و جدوجہد میں ثابت قدم رہے۔ تحریکِ خلافت، جمعیۃ العلماء ہند، کانگریس، امارتِ شریعہ اور اُس وقت کے جو بھی علمی، ملی اور عملی خدمات تھیں، مولانا تہہ دل سے اُن کے رفیق اور تمام قوت و صلاحیت کے ساتھ اُن سے وابستہ رہے۔ جمعیۃ سے مولانا کا رشتہ بہت گہرا اور دائمی تھا، جس دن سے جمعیۃ کی بنیاد پڑھی اور اُس نے عملی اقدامات کی طرف رُخ کیا، اُسی وقت سے مولانا اس کے ساتھ ساتھ چلے، اس کے ناظم رہے، تمام اہم جلسوں میں شریک رہے اور ہر پروگرام کی منصوبہ سازی میں آگے آگے رہے۔ مولانا اپنی فقہی بصیرت سے حکومت کے جاری کردہ قوانین کا تنقیدی جائزہ بھی لیا کرتے تھے چنانچہ مسلم وقف بل، وقف علی الاولاد بل، حج بل، معلم بل، قانونِ انفساخ نکاح بل اور جہیز بل پر مولانا کی گہری شرعی اور قانونی تنقید رہی۔ حکومت نے ان قوانین کے لیے جو مسودات جاری کیے، مولانا نے ان سب مسودات کا تفصیلی جائزہ لیا، ان کی کمزوریوں کو اُجاگر کیا اور اس بات کی صراحت کی کے یہ بل کس طرح مسلمانوں کے لیے مفید اور قابل قبول ہوسکتے ہیں اور ان تصریحات کا انہوں نے بہت جرأت اور دینی غیرت کے ساتھ اظہار کیا۔ مولانا کی نگاہ صرف دینی و فقہی

معاملات پر ہی نہیں تھی بلکہ وہ دوسرے معاشرتی، اور سیاسی پہلوؤں پر بھی اِسی طرح وسیع اور گہری نظر رکھتے تھے چنانچہ مولانا نے لوکل باڈیز ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹی کے سرکاری قوانین کا بھی تنقیدی جائزہ لیا، اُن کی اصلاح کی اور انہیں بہتر طور پر نافذ کرنے کے لیے اپنی تجاویز پیش کیں۔ اس سے مولانا کی ہمہ جہت صلاحیتوں اور بے پناہ قوتِ عمل کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا نے کانگریس کے ساتھ کامل شرکت کے باوجود کانگریسی وزارتوں میں جمعیۃ کے نمائندوں کی شرکت پر کھل کر تنقید کی اور منظم شرکت کی ایک خاص صورت تجویز کی اور اُس کے لیے "نظامِ ملت" کے عنوان سے ایک مفصل اسکیم بھی مرتب کی۔ مولانا تحریکِ خلافت، جمعیۃ العلماء، اور کانگریس سے پوری گہری واقفیت اور سربراہی کے باوجود کئی امور میں اپنی رائے بالکل جداگانہ رکھتے تھے اور اس کا صاف اظہار کر دیا کرتے تھے۔ ملک کا کوئی بڑے سے بڑا لیڈر ہو جیسے گاندھی جی وغیرہ، کانگریس کے کوئی رہنما ہوں، جمعیۃ العلماء کے کوئی ذمہ دار ہوں، مولانا کو اُن میں سے کسی کی رائے سے شرعی اور فقہی اختلاف ہوتا تو وہ اس سلسلے میں کسی مصلحت کا شکار نہ ہوتے اور اپنی رائے صاف صاف ظاہر کر دیتے۔ اُن کی کئی آراء جمعیۃ العلماء کے بعض معروف نظریات کے واضح طور پر خلاف تھیں۔ اِسی طرح گاندھی جی کے "اسلام میں اہنسا" کے نظریہ کی پرزور تردید کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"سیاسی حیثیت سے بلند مرتبہ رکھنے کے باوجود، گاندھی جی کی معلومات اسلام کے بارے میں ایک طفل مکتب سے زیادہ نہیں ہیں"[5] 1940ء میں وہ جمعیت علماء ہند کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے[6] اور 1940ء میں ہی ان کا انتقال ہوا۔

انگریزوں کے ہندوستان میں آنے سے قبل ایک شرعی عدالتی نظام موجود تھا۔ مستند علمائے کرام کو قاضی کے عہدوں پر فائز کیا جاتا تھا اور وہ شریعت اور فقہ کے بنیادی مصادر کی روشنی میں فیصلے کیا کرتے تھے۔ انگریزوں نے اس شرعی عدالتی نظام کو بتدریج معطل کر دیا اور ایک نو آبادیاتی قانونی ڈھانچے نے اسلامی شرعی عدالتی نظام کی جگہ لے لی۔ وقتاً فوقتاً نو آبادیاتی حکومت اسلامی قانون کو "برطانوی تصورِ قانون و انصاف" کے مطابق ڈھالنے کے لیے "ضوابط" جاری کرتی۔ قانون کے ایسے ضابطے متعارف کرائے گئے جو تخلیقی طور پر متنوع اور ایک بھرپور روایت کی جامد اور بے لچک تعبیر پر مبنی ہوتے تھے۔

شریعت اور فقہ کے بارے میں بہت کم علم کے حامل برطانوی ججوں کو مفتیان کرام اور مسلم قانون کے ماہر علماء کی رائے پر انحصار کرنا پڑتا تھا جو عدالتوں سے بطور "کورٹ آفیسر" کے منسلک ہوتے تھے[7]۔ فقہی قواعد کے مجموعے وضع کیے گئے اور اسلامی قانون کے کچھ متون کا ترجمہ کیا گیا تاکہ مفتیوں کی رائے کی ضرورت نہ پڑے اور برطانوی ججوں کو متون تک براہِ راست رسائی حاصل ہونے کے سبب زیرِ نظر مقدمے میں اسلامی قانون کو سمجھنے، تشریح کرنے اور اس کا اطلاق کرنے کے قابل کیا جا سکے۔ یہ فیصلے برطانوی عدالتی نظام کی طرح نظیر بن گئے۔ اس طرح

جنوبی ایشیا میں مسلم قانون کا ایک دوسرا مصدر سامنے آیا جسے "اینگلو محمدن لا" بھی کہا جاتا ہے اور وہ نظائر پر مبنی قانون تھا۔ نظیروں کا یہ حصہ مختلف ہندوستانی عدالت ہائے عالیہ کے ذریعے ہندوستانی قانون کی رپورٹوں کی طباعت کے بعد مرتب ہوتا رہا۔ سید محمود (1850–1903) جو سر سید احمد خان کے بیٹے اور الہ آباد ہائی کورٹ کے پہلے ہندوستانی رُکن تھے اور جو بعد میں ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے، کے تحریر شدہ تفصیلی فیصلے اس نظائری قانون کو وضع کرنے میں خاص اہمیت کے حامل تھے۔ تفصیلی فیصلے لکھنے کے بجائے کلکتہ ہائی کورٹ کے جج سید امیر علی نے برطانوی قانونی فریم ورک میں مسلم قانون کی دو جلدیں تحریر کیں۔ بعد میں کئی ججوں نے اس "اینگلو-محمڈن لاء" کی ترویج و ترقی میں اہم کردار ادا کیا[8]۔

مسلمانوں کے شرعی نظام عدالت کے انہدام سے علمائے دین خاص طور پر مایوس ہوئے۔ ایک روایتی دینی عالم جنہوں نے اس بحران کا سنجیدگی، خلوص اور مستقل مزاجی سے جواب دیا وہ مولانا ابو المحاسن سید محمد سجاد[9] تھے۔ وہ جمعیۃ علماء ہند کے ایک سرگرم رکن اور جمعیۃ علماء بہار کے بانی تھے اور انھوں نے علماء کو خطوط لکھے اور انھیں تلقین کی کہ وہ متحد ہو کر اِس ریاستِ جاہلیت کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی بھرپور کوشش کریں جس میں ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی سے متعلق کوئی قانونی حکم موجود نہیں ہے۔ ابو المحاسن کی رائے میں ولی (مسلم سرپرست) کا تقرر علماء کے لیے لازمی تھا اور یہ کہ اگر علماء نظامِ شرعی (شریعت پر مبنی قانونی نظام) وضع کرنے کے لیے کوئی قدم نہیں اُٹھاتے تو وہ اس کے جوابدہ ہوں گے۔ انھوں نے 1921ء میں بہار میں دارالقضاء کی بنیاد رکھی جو امارت شرعیہ (شریعت پر مبنی طرزِ حکمرانی) کی تشکیل کی طرف پہلا قدم تھا۔ وہ سیکولر قومی ریاست کے اندر ہندوستانی مسلمانوں کی زندگیوں کے روزمرہ امور میں رہنمائی کے لیے ایک امیر کے تحت باہم مربوط قانونی ٹربیونلز قائم کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے[10]۔ اس طرح علماء کی سول سوسائٹی سیکولر-جمہوری قومی نظام کے اندر مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کام کر سکے گی[11]۔ بہار اور اڑیسہ کے مختلف حصوں میں شریعتی ٹربیونلز کی مختلف شاخیں قائم کی گئیں اور اس طرح تحریکِ امارت شرعیہ کے نام سے ایک تحریک کا آغاز ہوا۔ شروع میں کچھ علمائے کرام تذبذب کا شکار تھے اور انھیں امیر کے عہدے پر کئی تحفّظات تھے۔ مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے کچھ تحفظات کو ابو المحاسن نے دور کیا۔ اُن کے خطوط 'امارت شرعیہ: شبہات وجوابات' کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں[12]۔ امارت شرعیہ کا بنیادی مقصد ریاست کی سیاسی حدود میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی سماجی اور اجتماعی زندگی میں رہنمائی کرنا تھا[13]۔ جیسا کہ ابو المحاسن نے واضح طور پر بیان کیا کہ یہ بنیادی طور پر خلافت اسلامی کی عدم موجودگی کا ایک عملی حل تھا۔

آج تک امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ کی ریاستوں میں دارالقضاء، دارالافتا اور بیت المال کے مختلف

محکموں کے ساتھ مسلسل کام کر رہی ہے۔ یہاں یہ امر دلچسپ ہے کہ ایک جدید سیکولر قومی ریاست کی حدود میں رہتے ہوئے کس طرح ایک کمیونٹی خود کو منظم کر سکتی ہے اور اپنی عدالتی خود مختاری کو برقرار رکھ سکتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مولانا ابو المحاسن سید محمد سجاد کے فکر و عمل سے تحقیق اور غور و فکر کے کئی زاویے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ جدید ریاست اور شریعت کا باہمی تعلق کیا ہے، جدید ریاست میں شریعت کے نفاذ کا درست منہج کیا ہے، خلافتِ اسلامی کی عدم موجودگی میں عملی طور پر مسلمانوں کی اجتماعی قانونی رہنمائی مرکزی طور پر کیسے ممکن ہے۔ مزید براں مولانا ابو المحاسن سید محمد سجاد کے قائم کردہ اداروں سے سول سوسائٹی اور ریاستی ڈھانچے کے تعلق پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مولانا ابو المحاسن کا فکر و عمل یہ نشاندہی کرتا ہے کہ کسی بڑے انقلابی اقدام یا انتخابی سیاست میں شامل ہوئے بغیر بھی کسی کمیونٹی کی اجتماعی قانونی ضروریات کا کوئی نظم تشکیل دیا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

1 قاسمی، انیس الرحمان، مولانا، حیاتِ سجاد، پھلواری شریف پٹنہ: 1998ء۔

2 قاسمی، عادل، تذکرۂ ابو المحاسن، نئی دہلی: جمعیۃ علماء ہند 2019ء۔

3 ایضاً

4 ایضاً

5 راشد، نور الحسن "مولانا ابو المحاسن محمد سجاد، ایک جامع کمالات اور جامع محاسن شخصیت" در تذکرۂ ابو المحاسن، مرتب اختر امام عادل قاسمی، جمعیۃ علماء ہند، نئی دہلی 2019ء۔

6 ایضاً

7 Guenther, Alan M. "A Colonial Court Defines a Muslim." In *Islam in South Asia in Practice*, edited by Barbara D. Metcalf, 293-304. Princeton: Princeton University Press, 2009.

8 اینگلو محمدن قانون پر اہم کام اور اسلامی قانونی متن کے تراجم میں شامل درج ذیل شامل ہیں:

Charles Hamilton translated *Al-Hedayah* into English; Sir Roland Knyvet Wilson, *An Introduction to Anglo-Muhammadan Law* (London: W. Thacker 1903); Khan Bahadur Muhammad Yusuf Hashmi and Maulvi Wilayat Hussain translated *Fataawa-e-Qadhi Khan* in English; Nawab A. F. M. Abdur Rahman (not to be confused with Justice A. F. M. Abdur Rashman of Bangladesh) *Institutes of Mussalman Law: A Treatise on Personal Law According to the Hanafite School, with References to Original Arabic Sources and Decided Cases from 1795 to 1906* Thacker, Spink and Company, 1907; Abdur Rahim, *The Principles of Muhammadan Jurisprudence.* Madras: SPCK Depository, 1911. Availble online

at:
https://archive.org/details/principlesofmuha031574mbp/page/n9/mode/2up
(Accessed on 12th March 2020.)

9 اردو میں ابوالمحاسن کی زندگی اور کام کے لیے ملاحظہ کریں مولانا انیس الرحمن قاسمی (ایڈیٹر)، "حیات سجاد" (پھولواری شریف، پٹنہ: شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ 1998)۔ آن لائن دستیاب ہے:

https://www.rekhta.org/ebooks/hayat-e-sajjad-ebooks Accessed on 13th March 2020.

اختر امام عادل قاسمی (ایڈیٹر)، "تذکرہ ابوالمحاسن" (نئی دہلی: جمعیت علماء ہند 2019)۔ آن لائن دستیاب ہے:

https://archive.org/details/tazkiraabulmahasin_201911/page/n1/mode/2up
(Accesed on 13th March 2020.)

10 Moosa, Ebrahim. "Shari'at Governance in Colonial and Postcolonial India." In *Islam in South Asia in Practice*, edited by Barbara D. Metcalf, 317-325. Princeton: Princeton University Press, 2009.

11 امارت شرعیہ اور ابوالمحاسین کے سیاسی نظریہ کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں (اردو)، ابوالمحاسن محمد سجاد، 'اور 'امارت شرعیہ: شبہات وجوابات'، پھلواری شریف، پٹنہ: امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، 1999۔ آن لائن دستیاب ہے:

https://www.rekhta.org/ebooks/imarat-shariah-ki-sharayi-haisiyat-abul-muhasin-mohammad-sajjad-ebooks (Accessed on 13th March 2020.)

مولانا محمد ظفر الدین مفتاحی، 'امارت شرعیہ: دینی جد وجہد کا روشن باب'، پھلوار شریف، پٹنہ: امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، 1974۔ آن لائن دستیاب ہے:

https://www.rekhta.org/ebooks/imarat-e-shariah-deeni-jadd-o-jahed-ka-roshan-baab-mohammad-zafeeruddin-ebooks (Accessed on 13th March 2020.)

12 ابوالمحاسن محمد سجاد، 'امارت شرعیہ: شبہات وجوابات'، پھلواری شریف، پٹنہ: امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، 1999۔ آن لائن دستیاب ہے:

https://www.rekhta.org/ebooks/imarat-shariah-ki-sharayi-haisiyat-abul-muhasin-mohammad-sajjad-ebooks (Accessed on 13th March 2020.)

13 امارت شرعیہ کے مقاصد، سرگرمیوں اور ڈھانچے کے لیے ملاحظہ کریں:

http://www.imaratshariah.com/indexE.php (Accessed on 13th March 2020.

امارت شرعیہ سوشل میڈیا پر بھی موجود ہے۔ اس کے فیس بک پیج کے لیے ملاحظہ کریں:

https://www.facebook.com/Imaratshariah/